محمد حنیف ندوی

# تاثرات

## احیاءِ اسلام کے فکری و عملی تقاضے

(مسلسل)

سوال ۳ بھی احیاءِ اسلام سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے کم اہم نہیں۔ ہم اس سے قبل بتا چکے ہیں کہ موجودہ نفسیات کا رجحان ذہن کو مادّی عنصر ثابت کرنے کی طرف ہے۔ اس مرحلہ پر یہ تنقیح ابھر کر نظر و فکر کے سامنے آتی ہے کہ روح اور ذہن میں تعلق و ربط کی نوعیت کیا ہے؟ کیا روح ذہن سے الگ ایک ایسا مبدأ تعقل ہے جو انسانی جسم میں جاری و ساری ہے۔ جو ایک طرف تو ذہن کی ترکتازیوں کا ضامن ہے اور دوسری طرف اس پورے نظامِ حیات کو قائم و برقرار رکھے ہوئے ہے، جس کا تعلق جسم اور اس کے مختلف اعضاء کے افعال و خواص سے ہے، یا روح ذہن سے علاحدہ کسی مستقل بالذات وجود کا نام نہیں ہے بلکہ یہ اسی کی عقلی و فکری کارفرمائیوں سے تعبیر ہے یعنی یہی وہ عضو ہے جو اگرچہ اپنی ساخت کے اعتبار سے مادی ہے مگر اپنے عمل، استدلال اور اخذِ نتائج کے اعتبار سے غیر مادی ہے۔

جہاں تک پہلے مفروضے کا تعلق ہے اس کا بھرم علمی دنیا میں زائل ہو رہا ہے۔ چنانچہ کوئی پڑھا لکھا شخص اب اس بات کا قائل نہیں ہے کہ انسان میں بیک وقت جسم و جان یا روح و قالب کی دوئی پائی جاتی ہے۔ اس کے برعکس یہ خیال زیادہ مقبول ہو رہا ہے کہ انسان بہرحال ایک وحدت ہے، ایک اکائی ہے اور یہ کہ اس میں گوشت پوست اور روح و جان کے

دو متخالف اور متضاد تقاضوں کے بجائے ایک ہی تقاضائے حیات موجزن ہے۔ اور یہ کہ جسد و روح کی اس تقسیم کے معنی یہ نہیں کہ ایک انسان میں دو الگ الگ وجود اور دو منفرد اور قائم بالذات حقیقتیں پائی جاتی ہیں بلکہ یہ ہیں کہ ایک ہی انسان کے اعمال و وظائف جسم و تعقل کے دو خانوں میں منقسم ہیں۔

پھر جس انداز اور رفتار سے جسم میں جاری و ساری روح کے انکار کا خیال زیادہ زور اور قوت حاصل کر رہا ہے، اسی نسبت سے ذہن انسانی کی اعجوبہ کاریاں اس رائے کو تقویت پہنچا رہی ہیں کہ یہ صرف مادّہ نہیں ہے بلکہ اس کا عجیب و غریب عمل فلسفہ، سائنس اور دیگر علوم و فنون کے افق تاباں پر اس کی گوناگوں پرواز، اس کا انداز فکر و استدلال اور موضوع و ہدف کی نا محدود آشنائی، یہ سب چیزیں ایسی ہیں جو اس کو قطعی غیر مادّی ٹھہراتی ہیں۔ اور جو اس بات کا کھلا ہوا ثبوت ہیں کہ ذہن کی ایک سطح اگرچہ مادّی اور گوشت پوست سے متعلق ہے تاہم ایک سطح ایسی بھی ہے جو یکسر روحانی، زمان و مکان کی قیود سے آزاد اور مجرد ہے۔

تعلیل کا وہ ہمہ گیر قانون جو برگ و گل کی نکہتوں سے لے کر فولاد و آہن کی صلابت تک ہر ہر شئے کو گھیرے ہوئے ہے اور ذرہ سے لے کر آفتاب تک فطرت کے ہر ہر ظہور پر حاوی ہے یہاں آکر اپنی چوکڑی بھول جاتا ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اقلیم فکر و تعقل میں سرے سے کسی قاعدہ، تعلیل اور قانون کی فرمانروائی پائی ہی نہیں جاتی۔ پوری کائنات مادّی میں ذہن جس طرح قانون ناآشنا ہے، جس درجہ اس کی جنبشیں آزاد اور بے قید ہیں، اور جس طرح اس کے میدانوں کی وسعتیں غیر محدود اور غیر متعین ہیں کوئی دوسری شئے اس معاملہ میں اس کی شریک نہیں!

حتیٰ کہ خود نفسیات کے وہ ماہرین جو ذہن و فکر کو تعلیل کی جکڑ بندیوں میں جکڑنا چاہتے ہیں، اس اصول پر محکم ایمان رکھتے ہیں کہ باوجود اس کے کہ اس کی تمام تر کارفرمائیاں داخلی و خارجی محرکات ( Stimuli ) کا نتیجہ ہیں، اس کی سیماب وشی کا انکار

نہیں کر سکے۔ اور ٹھیک ٹھیک یہ نہیں بتا سکے کہ محرکات اور اس کے نتائج میں ربط و تعلق کی نوعیت کیا ہے۔

لیکن ذہن کی اس غیر مادّیت سے ہم صرف اس حد تک استفادہ کر سکتے ہیں کہ وحی و الہام کی تشریح و تعبیر میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔ اور ہم یہ کہہ سکیں کہ اس کی اڑان یا پرواز کی راہ میں مغیبات کے چند مقام بھی آتے ہیں۔ اسی طرح ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں 'جبریل امین قلب پیغمبرؐ کو تعلیم و تلقین کا ہدف و مرکز ٹھہرا سکتا ہے لیکن 'معاد' کے سلسلہ میں بقائے روح کی دشواریاں اس سے حل نہیں ہو پاتیں کیونکہ بقائے روح کا مسئلہ جن نکات کا ثبوت چاہتا ہے وہ یہ ہیں:

۱۔ کہ روح کے بارہ میں اس قدیم تصور کو صحیح مانا جائے کہ اس کا علاحدہ ایک وجود ہے جو جسم میں جاری و ساری ہے۔

۲۔ اس سے متعلق اس حقیقت کو بھی ماننا پڑے گا کہ روح میں تشخص و کردار کے ان تمام لوازم کو قائم رکھنے کی صلاحیتیں پائی جاتی ہیں جن کا تعلق بظاہر جسم، مادّہ، اور زندگی کے عارضی علائق سے ہے۔

۳۔ یہ بھی ماننا پڑے گا کہ جو روح، جسم و دماغ کے ادنیٰ خلل سے متاثر ہوتی ہے اور بسا اوقات جس کا کارخانہ ایک زخم، ایک ضرب اور چوٹ کی وجہ سے بے کار، ماؤف یا معطل ہو جاتا ہے، وہ زندگی سے محرومی کے بعد نہ صرف فکر و تعقل کے کام کو جاری رکھنے کی صلاحیت رکھتی ہے بلکہ اس میں حفظِ ذات اور ارتقاء ذات کی صلاحیتیں بھی ہیں۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ روح کے بارہ میں اب پرانا تصور تو بہرحال چلنے والا نہیں۔ جدید تصور کیا ہو اور کن خطوط استدلال پر اس کی بنیاد رکھی جائے یہ ہے وہ فیصلہ کن نکتہ کہ جس پر ہمارے جدید متکلمین کو اپنی توجہات مرکوز کرنا چاہئیں۔ اس مرحلہ پر ہم بقائے روح کے سلسلہ میں ان توجیہات کو چنداں اہم نہیں سمجھتے کہ جنھیں منکرین عموماً پیش کرتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ اس عقیدہ کی بنا کسی علمی حقیقت پر نہیں ہے

بلکہ ہمیشہ زندہ و باقی رہنے کی آرزو و تمنّا نے مجبور کیا ہے کہ انسان اس کو عقیدہ و فلسفہ کے قالب میں ڈھال دے یا یہ کہ جسم سے الگ تھلگ روح کا تصوّر دراصل خواب کی شعبدہ طرازیوں کا رہین منّت ہے یعنی قدیم الایام میں انسان نے جب دیکھا کہ سوتے میں بھی اس کی ذہنی قوّتیں بیدار رہتی ہیں اور عین نیند کے عالم میں بھی یہ مختلف مقامات میں گھومتا پھرتا ہے بلکہ فضاؤں میں اڑتا اور پانیوں میں مچھلی کی طرح بلا تکلّف تیرتا ہے تو اس نوع کے محیر العقول اعمال کو اس نے ایک ایسے غیر مادّی عنصر کی طرف منسوب کیا جو بیداری میں تو جسم کے مفوضہ کاموں کی سرانجام دہی میں لگا رہتا ہے لیکن جونہی جسمانی علائق سے چھٹکارا حاصل کرتا ہے اس طرح کے عجیب و غریب کام کرنے لگتا ہے۔

ہماری رائے میں روح کا تصوّر نہ انسان کی آرزوئے بقا سے متعلق ہے اور نہ یہ خواب اور نیند ہی کا نتیجہ ہے۔ اس کی تہہ میں جو فلسفہ کارفرما ہے وہ یہ ہے کہ اگر انسانی موت کے معنی سچ مچ مر ہی جانے کے ہیں اور یہ ہیں کہ جسم اور گوشت پوست کی موت کے بعد کوئی دوسری زندگی نہیں ہے، قطعی اندیشۂ محاسبہ نہیں ہے اور آگے بڑھنے اور مدارج میں ترقی کرنے کا کوئی اور موقع میسر آنے والا نہیں ہے تو اس کا صاف صاف مطلب یہ ہے کہ مذہب کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اور وہ اخلاق اور لطائف اخلاق جن کو صرف عقبیٰ و آخرت کا امید افزا تصوّر ہی ابھار سکتا ہے، سرے سے ناشائستہ التفات اور غیر ضروری قرار پاتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ خود اس کارگاہِ حیات پر شبہ ہونے لگتا ہے کہ اس کو کسی علیم و حکیم خدا نے پیدا کیا ہے یا یہ محض بخت و اتفاق کی کارگزاریوں کا نتیجہ ہے۔

گویا روح کی بقا اور حیاتِ جاودانی کا تعلق براہِ راست مذہب و اخلاق کی استواریوں سے ہے اور کائنات کے بارہ میں اس نقطۂ نظر سے ہے کہ یہ حکمت و دانش پر مبنی ہے مذاق اور کھیل تماشا نہیں۔ مزید برآں اس کا تعلق انسان کے مرتبۂ عظمت و توقیر سے بھی ہے یعنی ایسی حسین مخلوق کو اور فکر و اندیشہ کے ایسے شوخ نقش کو مٹنا نہیں چاہیے کہ جس کی وجہ سے یہ خرابۂ وجود آباد ہے۔